سید محمد مرتضیٰ

اسکالر،پی ایچ۔ ڈی اردو، سرگودھا یونیورسٹی

ڈاکٹر سمیرا اعجاز

استاد شعبہ اردو، سرگودھا یونی ورسٹی

"اردو آشوبیہ شاعری" پر سقوطِ ڈھاکہ کے اثرات: تنقیدی مطالعہ

Syed Murtaza Hassan

PhD Scholar, Department of Urdu, University of Sargodha.

Dr. Sumaira Ijaz

Lecturer Department of Urdu, University of Sargodha.

Impact of fall of Dacca on "Urdu Ashobiya Shairi": A Critical Study

Fall of Dacca is an incident which impressed all classes of society. Many writers faced this incident with pain and expressed in their creations. Like others forms of literature, "Urdu Ashobiya shairi" (Expressing the destructive and chaotic situation) was also impressed by this incident. Many poets portrayed that incident in their poetry so this topic had become a prominent topic of Urdu poetry which created a new sense in poetic art. In this article it is tried to express the impacts of fall of Dacca on "Urdu Ashobiya shairi".

Key words: *Incident, Impressed, Society, Writers, Expressing, Portrayed, Prominent, Urdu Poetry.*

قیامِ پاکستان کے بعد سامنے آنے والے مسائل نے شروع دن سے پاکستان کو مشکلات کا شکار کیے رکھا۔ ایک طرف تقسیم کے وقت ہونے والی ناانصافی نے پاکستان کے لیے معاشی مسائل پیدا کیے تو دوسری طرف ہجرت کے دوران میں ہونے والی قتل وغارت اور عصمت دری کے واقعات نے سماجی سطح پر ایک ایسی صورت حال کو پروان چڑھایا جو آگے چل کر سماجی مسائل میں اضافہ کا باعث بنی۔ لوگ ان واقعات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اس نوزائیدہ مملکت کی صورت میں جس روشن صبح کا انتظار کر رہے تھے وہ طلوع تو ہوئی لیکن یہ نیا سورج لوگوں کے ارمانوں پر پانی پھیر گیا۔ ان واقعات کی بڑی وجہ ہندوؤں کی وہ ذہنیت تھی جس نے اول روز سے ہی پاکستان کو دل سے تسلیم

نہیں کیا تھا اور آئے دن اس کے لیے مسائل کھڑا کرنے میں یہ لوگ پیش پیش تھے۔ اسی ہندو ذہنیت نے پاکستان پر ۱۹۶۵ء میں جارحیت کر کے ایک بار پھر اسے مٹانے کی کوشش کی لیکن اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے۔ اس جنگ میں شکست کے بعد شاطر دشمن نے اپنی چال بدلی اور مشرقی پاکستان میں شورش کو ہوا دینے لگا۔ کچھ اس شاطر دشمن کی چالاکیوں اور کچھ اپنوں کی نالائقیوں اور مفاد پرستی کی وجہ سے مشرقی پاکستان کے حالات اس قدر خراب ہوتے چلے گئے کہ آخر پاکستانی قوم کو سقوطِ ڈھاکہ جیسے المناک سانحہ کا سامنا کرنا پڑا۔

سقوطِ ڈھاکہ برّصغیر کی تاریخ کا وہ المناک سانحہ ہے جس نے قیام پاکستان کی منزل کے حصول کے چند سال بعد ہی پاکستان کے باشندگان کو بہت بڑے دُکھوں میں مبتلا کر دیا یہ کرب ایک طرف ملکِ عزیز کے دولخت ہونے اور باہمی نفرتوں کی خلیج کے وسیع ہونے کا تھا، تو دوسری طرف باہمی اخوت و یک جہتی کے زوال کا دُکھ تھا۔ یہ دُکھ ذاتی نہیں بلکہ اجتماعی کرب بن کر اُبھرا۔ معاشرے کے دیگر افراد کی طرح شاعر اور ادیب بھی اس کرب کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے یوں ادب اور شاعری میں اس المیے کا اظہار کھُل کر سامنے آنے لگا۔

اردو ادب کی مختلف اصناف میں اس قومی سانحے کی عکاسی ملتی ہے۔ اس کی وجہ اس عہد کی سیاسی اور سماجی صورت حال ہے جو اس وقت انتہائی گمبھیر تھی۔ ہر طرف قومیت اور قومی و ملّی وقار پر لگی کاری ضرب کی کسک محسوس کی جارہی تھی تو آشوبیہ شاعری میں بھی ملکی و ملّی وقار کی پامالی کا اظہار سامنے آرہا تھا۔ اس کی بڑی وجہ اُس وقت کے ناموزوں سیاسی و سماجی حالات تھے جنہوں نے معاشرے کے ہر فرد کو شدت سے متاثر کیا اور بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

سقوطِ ڈھاکہ کے عوامل اور اسباب کو دیکھا جائے تو اس میں جہاں ایک طرف ملک میں سیاسی سطح پر ذاتی مفاد کا خاص عمل دخل ملتا ہے وہاں ہندوؤں کی سازشوں کا بھی پورا ہاتھ تھا۔ ہندو اس خطہ ارض پر قیام پاکستان سے قبل اکثریت میں تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ انگریزی سامراجیت کے خاتمے کے بعد پورے برّصغیر پر بلا شرکتِ غیرے حکومت کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ انہی خوابوں کو تعبیر دینے کے لئے انھوں نے پاکستان کے قیام کے لئے ہونے والی کوششوں کی راہ میں دیواریں کھڑی کیں لیکن ان کی ان کوششوں کے باوجود جب مسلمان اپنا الگ وطن کا مطالبہ تسلیم کرانے اور علیحدہ وطن حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہندوؤں کو اپنے منصوبوں کی عدم تکمیلیت کا شدید رنج ہوا اور انھوں نے کوششیں شروع کر دیں کہ کسی نہ کسی طرح اس ملک کو مسائل سے دوچار کر کے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا جائے اس لئے اُن کی پاکستان مخالف کوششیں جاری رہیں جو بالآخر سقوطِ ڈھاکہ کی صورت میں اس ملک کو دولخت کرنے میں کامیاب ہوئیں۔ ڈاکٹر صفدر محمود سقوطِ ڈھاکہ میں ہندوستان کے کردار پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب انھوں نے دیکھا کہ نامساعد حالات کے باوجود پاکستان اپنی بقاء واستحکام کی کوشش کر رہا ہے تو انھوں نے اسے ختم کرنے کے لئے ایک منظم اور طویل المدت منصوبہ تیار کیا، بھارتی رہنماوؤں نے پاکستان کے جغرافیائی تہذیبی اور اقتصادی عوامل کا مطالعہ اور تجزیہ کرنے کے بعد مشرقی پاکستان کا انتخاب کیا۔"(۱)

بھارت انہی سازشوں کے جال بنتا رہا اور پاکستان کے سیاسی منظر نامے پر بھی پوری نظر رکھے رہا۔ بد قسمتی سے اس وقت ملک میں سیاسی منظر نامے کی صورت حال زیادہ تسلی بخش نہ تھی۔ جس کی وجہ سے بھارت کو اپنے عزائم کی تکمیل کے لئے کھُل کھیلنے کا موقع مل گیا، جس کا نتیجہ ہمیں سقوطِ ڈھاکہ کی صورت میں بھگتنا پڑا۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ پاکستان کے مشرقی بازو کا الگ ہو کر "بنگلہ دیش" بن جانا اچانک عمل میں آنے والا واقعہ نہ تھا اور نہ ہی اس کی ذمہ داری معاشرے کے کسی ایک طبقے پر ڈالی جاسکتی ہے بلکہ یہ دُشمن کی سازشوں کا ایک طویل منصوبہ تھا جس میں جلتی پر تیل ڈالنے کا کام ہماری سیاسی اشرافیہ اور سماجی منافقتوں نے کیا۔ سلیم منصور خالد اس بارے میں لکھتے ہیں:

"بنگلہ دیش کا قیام کوئی اتفاقی یا حادثاتی واقعہ نہ تھا بلکہ یہ ہماری حماقتوں اور نا اہلیوں سے لکھی ہوئی داستان کا المناک مگر منطقی انجام تھا"(۲)

اس منطقی انجام تک پہنچنے والے سیاسی اور سماجی عوامل کا تجزیہ کیا جائے تو صورتِ حال انتہائی گمبھیر نظر آتی ہے۔ اس میں جہاں اغیار کی سازشوں کا عمل دخل ملتا ہے وہاں سیاسی سطح پر اُن غلط فیصلوں کا بھی حصہ رہا ہے جو ہوس اقتدار میں کیے گئے اور اکثریت کو اقلیت میں بدلنے کی روش پروان چڑھائی گئی۔ سقوطِ ڈھاکہ کے بعد سماجی سطح پر جو سب سے بڑا رجحان سامنے آیا وہ شکست کا دُکھ تھا۔ اس سانحہ سے چھ سال قبل ۱۹۶۵ء میں پاکستان نے سترہ روزہ جنگ کے بعد بالآر دشمن ملک بھارت کو نہ صرف گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا بلکہ بہت سا بھارتی علاقہ پاکستان کے قبضے میں بھی آ گیا۔ اقوامِ عالم میں پاکستانی عوام اور پاکستانی فوج کا مورال بہت بلند ہوا تھا لیکن چھ سال بعد ہی اس سانحے نے ایک طرف اس مورال اور عظمت پر کاری ضرب لگائی تو دوسری طرف خود پاکستانی عوام میں شکست کا دُکھ بڑی شدت سے اُبھرا۔

مشرق پاکستان کی علیحدگی کے بعد جہاں اُس خطے کے عوام نے نئے ملک کی خوشیاں منائیں وہاں مشرقی اور مغربی دونوں حصوں مین بہت سے طبقے ایسے بھی تھے جن کے خیال میں وطنِ عزیز کا دولخت ہونا صرف مغربی پاکستان کے لیے ہی نہی تھا بلکہ خود مشرقی پاکستان کے لئے بھی یہ علیحدگی نامناسب تھی۔ اس کے علاوہ صدیوں سے جاری اتحاد کی کوششیں جن کے سامنے میں سامراجی طاقتیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گئی تھیں اور پاکستان وجود میں آیا تھا اُس اتحاد میں نفاق کی خلیج نے معاشرے کے سنجیدہ طبقے کو خاص متاثر کیا تھا۔ دردِ دل رکھنے والے شاعر اور ادیب اس سانحے کے دُکھ

زیب قرطاس کرنے لگے تو اردو آشوبیہ شاعری میں اُن کی فکر اور سماج میں جاری کشمکش کی عکاسی ہونے لگی یوں اس دور کی آشوبیہ شاعری میں اس سانحہ کے حوالے سے خاصی توانائی ملتی ہے۔ سماجی سطح پر شکست وریخت اس دور کی آشوبیہ شاعری میں نمایاں طور پر اُبھر کر سامنے آتی ہے اور یہ شکست وریخت اُس عہد میں ہمارا سماجی المیہ قرار پاتی ہے۔

اس شکست وریخت کے تناظر میں دیکھا جائے تو معاشرے میں ایک حساس طبقہ ایسا بھی تھا جو چاہتا تھا کہ اغیار کی سازشوں اور اپنوں کے غلط فیصلوں کی وجہ سے دونوں خطوں کے باشندگان کے درمیان جو نفرت کی وسیع خلیج پیدا ہوگئی ہے اس کو کسی نہ کسی صورت پاٹنے کی سعی کی جائے اور دونوں خطے دوبارہ پھر پہلے کی طرح مل جائیں۔ اس ضمن میں فیض کی حسرت ملاحظہ ہو:

ہم کہ ٹھہرے اجنبیا تنی ملاقاتوں کے بعد
پھر بنیں گے آشنا کتنی مداراتوں کے بعد
کب نظر میں آئے گی بے داغ سبزے کی بہار
خون کے دھبے دھلیں گے کتنی برساتوں کے بعد
تھے بہت بے درد لمحے ختمِ دردِ عشق کے
بہت بے مہر صبحیں مہرباں راتوں کے بعد
دل تو چاہا پر شکست دل نے مہلت ہی نہ دی
کچھ گلے شکوے بھی کرلیتے مناجاتوں کے بعد
اُن سے جو کہنے گئے تھے فیض جاں صدقہ کیئے
ان کہی ہی رہ گئی وہ بات سب باتوں کے بعد (۳)

فیض احمد فیض اور اس طبقے کے دیگر افراد کو اس بات کا شدید دُکھ تھا کہ اب خواہ جتنی بھی خاطر مدارت کی جائے اور کتنا ہی شاندار استقبال کیوں نہ کیا جائے ہم اپنے ہی اس علاقے میں اجنبی بن کر رہ گئے ہیں۔ اجنبیت کا یہ احساس اور دکھ ہمارا سماجی المیہ بن کر اُبھرا۔ اسی سماجی المیے نے اُس وقت کی آشوبیہ شاعری کو موضوعاتی حوالے سے خاصی وسعت بخشی۔

سقوط ڈھاکہ کے بعد سماجی صورت حال کا جائزہ لیا جائے تو ایک اور حقیقت یہ بھی سامنے آتی ہے کہ جغرافیائی حوالے سے مشرقی پاکستان میں طویل فاصلہ ہونے کے باوجود دونوں کے باشندے جس رشتے میں مذہب کا تھا۔ یہ وہ رشتہ تھا جس کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی خاص ضرورت تھی کیوں کہ تقریباً ایک ہزار میل کے فاصلے پر

موجود دونوں خطے اس رشتے کی بنا پر ہی ایک رہ سکتے تھے۔ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے ایک رُکن ابوالمنصور نے اسمبلی میں خطاب کرتے ہوئے دونوں حصوں میں مشترکہ اقدار کے حوالے سے بڑے پتے کی بات تھی:

"پاکستان ایک منفرد ملک ہے اس کے دو بازوؤں کے درمیان ایک ہزار میل سے زائد کا فاصلہ ہے، مذہب اور مشترکہ جدوجہد آزادی کے سوا ان کے درمیان کوئی قدر مثلاً زبان، ثقافت غرض کچھ بھی مشترک نہیں، حقیقت یہ ہے کہ دونوں صوبوں میں مشترکہ اقدار اعضاء ہیں جن کی موجودگی کسی قوم کی تشکیل کے لئے ناگزیر ہوتی ہے۔"(۴)

مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان نہ صرف فاصلہ بہت زیادہ تھا بلکہ ان کے دونوں علاقوں میں جغرافیائی، اریخی، نسلی، سیاسی، معاشرتی، معاشی اور ثقافتی لحاظ سے بھی بہت فرق تھا۔ لوگوں کے دِلوں سے اس فرق کو ختم کرنے اور قومیت کی تشکیل کے لئے جہاں مذہب اور مذہبی اقدار کی ضرورت تھی وہاں اہلِ اقتدار کی طرف سے غیر معمولی بصیرت اور دانش مندی بھی درکار تھی جس کے ذریعے مشرقی پاکستان کے باشندوں کی ثقافت کو مناسب مقام دے کر انھیں واحد اسلامی ثقافتی رشتے میں پرو دیا جانا ضروری تھا لیکن اس ضمن میں ٹھوس بنیادوں پر کوئی خاص اقدامات نہ کئے گئے۔

ملکی اور سماجی سطح پر دیکھا جائے تو اس سانحہ کے وقوع پذیر ہونے کے وقت اور بعد میں پاکستان عالمی سطح پر بھی تنہائی کا شکار ہو گیا تھا۔ جس کا براہِ راست اثر معاشرے پر پڑا اور سماجی سطح پر بے چینی جنم لینے لگی۔ اس عہد کی سیاسی و سماجی صورت حال کے تناظر میں آشوبیہ شاعری کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس عہد کے افراد نے اپنے ہم عصر ماحول سے عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے سکون، اطمینان اور تحفظ کی تلاش شروع کر دی۔ سماجی سطح پر زندگی سے مثبت اقدار کو ختم کرنے اور بھلا دینے کے بعد ایک ایسے ماحول کی تلاش مطمئع نظر ٹھہری جس میں لوگ باہمی رقابتوں اور منافقتوں کی بیخ کنی کر کے قوم کو مضبوط رشتوں میں پروئے ہوئے ہوں۔ یوں اس المناک حادثے نے شہر آشوب کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ سقوطِ ڈھاکہ کے حوالے سے دیکھا جائے اس دور کی آشوبیہ شاعری میں اس المناک حادثے کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔

سقوطِ ڈھاکہ کے المناک واقعہ کے کرب کو شاعری میں سمونے والے شاعروں میں ایک اور اہم نام احمد ندیم قاسمی کا ہے۔ احمد ندیم قاسمی ایک حساس اور دردِ وطن رکھنے والے انسان تھے۔ انھوں نے شاعری اور افسانہ نگاری دونوں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ ۱۹۷۱ء کے سانحہ سقوطِ ڈھاکہ کے وقت اُن کے دل میں موجود احساسِ وطن ایک کرب میں تبدیل ہو گیا۔ یہ وہ کرب تھا جس کی ٹیسیں ساری عمر ان کے بدن کو چھلنی کرتی ہیں۔ وہ اس المناک سانحہ پر چیخ کر روتے ہیں:

میں روتا ہوں
اے ارضِ وطن
میں روتا ہوں
المیوں کے تانبے کی طرح تپتی ہوئی زرد فیصلوں کے آئینوں میں
جب خود کو مقابل پاتا ہوں
میں روتا ہوں
میں جب بھی اکیلا ہوتا ہوں
مین روتا ہوں
اے ارضِ وطن
میں روتا ہوں (۵)

احمد ندیم قاسمی نے یہ نظم ۱۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کی رات سقوطِ ڈھاکہ کی خبر سنتے ہی کہی اور پھر اس کے بعد کافی مدت تک اپنی نظموں میں اس المیے کی یاد میں آنسو بہاتے رہے۔ وہ صرف اس وجہ سے نہیں روتے تھے کہ ملک دو لخت ہو گیا۔ بلکہ ان کا کرب اور دُکھ یہ تھا کہ وہ خلوص اور محبتیں اب بٹ کر رہ گئی میں جن کے بل بوتے پر اس خطہ کے باشندوں نے فرنگیت سے نجات حاصل کر کے ایک علم ملک حاصل کیا تھا۔ انھیں اپنے رہنماؤں سے بھی شدید گلہ تھا کہ وہ وقت جو قوم کو متحد رکھنے کا تھا اُسے گنوا دیا گیا۔ احمد ندیم قاسمی کی نظمیں "ایک ہی رنگ ہے"، "تتلی"، "سقراط کے بعد"، "باقی ہے"، "دوستو آؤ"، "اگر ہے جذبہ تعمیر زندہ"، وغیرہ ایسی نظمیں ہیں جن کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ندیم کو اس عظیم سانحہ پر احساسات کے کس کرب سے گزرنا پڑا تھا۔ صرف نظمیں ہی نہیں اُن کی غزلوں میں بھی اس سانحہ کا تذکرہ ملتا ہے۔

سانحہ سقوطِ ڈھاکہ پر ندیم کھُل کر روئے۔ یہی رونا اُن کے جذبات و احساسات کی تطہیر بن گیا۔ جس کی بدولت وہ نئی بنیادیں تعمیر کرنے کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ فتح محمد ملک اس بارے میں لکھتے ہیں:

> " سقوطِ کے بعد ندیم اپنی ذاتی زندگی اور شاعری میں جی بھر کر روئے۔ رونے کے اس تخلیقی عمل نے انہیں ان کی رجائیت پھر لوٹا دی اور وہ "دوستو آؤ" اور "اگر ہے جذبہ تعمیر زندہ" کی سی نظموں میں اپنے ہم وطنوں کو ذہنوں اور محبتوں سے فاتحہ خوانی کی صفیں لپیٹنے اور ۱۹۷۱ کی تباہی ملبے سے ایک نئے مستقبل کی دعوت دینے لگتے ہیں۔ محنت اور

لگن سے جینے یا عزت سے رہ جانے کی تلقین کرنے لگے۔ خود ندیم نے ایسے بھو بھل میں
چنگاری ڈھونڈنے کے عمل کا نام دیا"۔ (۶)

یہاں سے احمد ندیم قاسمی کے ہاں آشوبیہ شاعری میں تبدیلی واقع ہوتی نظر آتی ہے کہ اب وہ وطن کی حالتِ زار پر بھی صرف رونے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ اس کرب اور دُکھ کے ساتھ ساتھ وہ جذبہ تعمیر کو زندہ رکھنے کے لئے بھی آگے بڑھتے دکھائی دیتے ہیں۔ اُن کی نظم "دوستو آؤ" کی بہترین مثال قرار دی جاسکتی ہے۔

دوستو آؤ اپنی انا کا ملبہ کھودیں
آؤ یخ بستہ دھرتی جو اشکوں سے سیر اب ہوئی ہے
امیدوں کے موتی بودیں
دوستو: آؤ خون آلود زمین سے پھول اگانا سیکھیں
آؤ محبت اور لگن سے جینا سیکھیں
عزت سے مرجانا سیکھیں ۷

یوں ندیم کے ہاں آشوبیہ عناصر، عزم اور نئے ارادے میں ڈھلتے نظر آتے ہیں۔ انھیں اس ارضِ پاک کے دولخت ہونے کا دُکھ شدید تھا۔ دیگر اہلِ ادب کی طرح وہ بھی معاشرے کے حساس فرد ہونے کے ناتے اس عظیم سانحہ پر تڑپ کر رہ گئے تھے لیکن ایک ذمہ دار کی حیثیت سے وہ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے ایک نئے عزم سے اُٹھتے اور ابھرتے دکھائی دیتے ہیں اور قوم کو بھی نیا جذبہ دینے لگے ہیں۔

ناصر کاظمی کے ہاں بھی ۱۹۷۱ کی سیاسی ابتری کا ذکر ملتا ہے۔ وہ بھی ان دگر گوں حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ بین الاقوامی برادری کی بے حسی اور منافقت کا تذکرہ ان کے یہاں واضح طور پر موجود ہے۔ بنگلہ دیش کے کشیدہ حالات کے دوران میں عالمی برادری اور کئی بڑے ملکوں نے پاکستان سے تصفیے اور امداد کے کئی وعدے کیے مگر جب مدد کرنے کی گھڑی آئی تو میدان عمل میں کسی نے بھی ساتھ نہ دیا۔ ایسی صورت حال کے سیاق و سباق میں ناصر کاظمی بے اختیار بول اٹھے:

وہ ساحلوں پہ گانے والے کیا ہوئے
وہ کشتیاں چلانے والے کیا ہوئے
وہ صبح آتے آتے رہ گئی کہاں
جو قافلے تھے آنے والے کیا ہوئے
میں ان کی راہ دیکھتا ہوں رات بھر

وہ روشنی دکھانے والے کیا ہوئے
یہ کون لوگ ہیں میرے ادھر اُدھر
وہ دوستی نبھانے والے کیا ہوئے (۸)

سقوطِ ڈھاکہ کے حوالے سے لکھنے والوں میں شاعر انقلاب حبیب جالب کا نام بھی خاص اہمیت کا حامل ہے۔ حبیب جالب نے ہر ظلم کے خلاف آواز اُٹھائی اور ہر بد دیانتی اور مکاری کو آشکار کرنے کے لئے اپنی توانائیاں صرف کیں۔ دسمبر ۱۹۷۱ء میں بنگال میں فوج کشی کر کے اپنے ہی ہم وطنوں کو دبانے یا دوسرے لفظوں میں فتح کرنے کا جو گھناؤنا کھیل کھیلا گیا تھا دیگر باشندگانِ وطن کی طرح حبیب جالب بھی اس پر تڑپ اُٹھے تھے۔

محبت گولیوں سے بو رہے ہو
وطن کا چہرہ خون سے دھو رہے ہو
گماں تم کو ہے رستہ کٹ رہا ہے
یقیں مجھ کو ہے منزل کھو رہے ہو (۹)

ان اشعار سے جالب کی وسیع نظری اور بصیرت جھلکتی نظر آتی ہے کہ جالب نے فوج کشی کی پہلی رات کے وقت ہی "منزل کھو رہے ہو" کہ کر جس خدشے کا اظہار کیا تھا وہ درست ثابت ہوا۔

سقوطِ ڈھاکہ کے آشوبیہ شاعری شہر آشوب پر اثرات کے حوالے سے اس دور میں لکھنے والوں میں فیض احمد فیض ایک ایسے شاعر کے طور پر سامنے آتے ہیں جن پر اس سانحہ کے اثرات خاصے گہرے پڑے۔ فیض کے ہاں وطن کے جغرافیائی حوالے سے دولخت ہو جانے سے زیادہ دکھ وطن کے باشندوں کے دلوں میں نفرت اور کدورت کے پروان چڑھنے کا تھا۔ فیض کو اس بات کا شدید رنج تھا کہ انسیت اور محبت کیسے اجنبیت میں تبدیل ہو گئی۔ اس حوالے سے اُن کی ایک اور مختصر نظم دیکھئے

یار اغیار ہو گئے
اور اغیار مصر ہیں کہ وہ سب
یارِ غار ہو گئے ہیں
اب کوئی ندیم باصفا نہیں ہے
سب رندِ شراب خوار ہو گئے ہیں (۱۰)

اس کرب نے سماج کو جس طرح متاثر کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ سب کچھ لُٹ جائے اور اقدار کے زوال پذیر ہونے کے نوحے بھی فیض کی آشوبیہ شاعری میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

دوزخی دشت نفرتوں کے
بے درد نفرتوں کے
کرچیاں دریدہ جسد کی
خس وخاشاک رنجشوں کے
اتنی سُنسان شاہراہیں
اتنی گنجان قتل گاہیں
جن سے آتے ہیں ہم گزر کر
آبلہ بن کر ہر قدم پر
یوں پاؤں کٹ گئے ہیں
رستے سمٹ گئے ہیں
محفلیں اپنے بادلوں کی
آج پاؤں تلے بچھادے
شافی کربِ رہرواں ہو
اے شام مہرباں ہو (۱۱)

سقوطِ ڈھاکہ ہماری تاریخ کا ایسا المناک سانحہ تھا جس نے نہ صرف اس مملکت خداداد کو دولخت کیا تھا بل کہ معاشرے کے حساس طبقے کے ذہنوں تک کو شل کر کے رکھ دیا تھا۔ ہر کوئی یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟ وہ کون سے عوام تھے جنھوں نے نفرتوں کے بیج بو کر اس خلیج کو اتنا وسیع کر دیا کہ یہ دلوں کے فاصلے بڑھتے ہی چلے گئے۔

سقوطِ مشرقی پاکستان کے المیے نے معاشرے کے ہر فرد کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ خود اس سانحے کا مجرم ہے۔ ملک صرف جغرافیائی طور پر الگ الگ نہیں ہوتے تھے بل کہ ان دونوں خطوں میں رہنے والوں کو اپنے رشتے ناتے کٹتے معلوم ہوئے تھے یوں لگ رہا تھا کہ معاشرے کی تمام اقدار اور روایات کو زوال آ گیا ہے۔ اس سانحے کے حوالے سے لکھی جانے والی آشوبیہ شاعری میں ایک اہم عنصر جو سامنے آیا وہ یہ تھا کہ اس آشوبیہ شاعری میں شہر کے زوال اور تباہی سے زیادہ محبتوں، مرّوتوں اور خلوص کی تباہی کا اثر نمایاں ہے۔ اس عہد کے لکھنے والے شعرا میں اس سانحے کے بعد یہ چیز نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ اس سانحے کی وجہ سے معاشرتی اقدار اور خلوص کو زوال آ گیا

ہے۔ مشرقی پاکستان کی حالت زار کے نوحے اس شہر آشوب میں کھل کر سامنے آتے ہیں اور ان نوحوں میں اپنی اصل اور اپنی نمو سے کٹ جانے کا دکھ اور کرب سامنے آتا ہے۔

احمد فراز کے ہاں '' سحر کا سورج '' میں یہ نوحے یوں ملتے ہیں:

سحر کے سورج
میں رو رہا ہوں
کہ میرا مشرق لہو لہو ہے
وہ میرا مشرق
جو میرا بازو ہے میرا دل ہے میری نمو ہے
جو میرے اطراف کا نشاں
میری آبرو ہے
لہو لہو ہے
سحر کے سورج
میں نصف تاریک
نصف روشن ہوں
کیا ہوا ہے
تجھے گہن لگ گیا ہے
کہ میرا وجود ٹکڑوں میں بٹ گیا ہے
تیری شعاعوں کا نور اندھیروں میں گھٹ گیا ہے
آج ہر رشتہ رفاقت ہی کٹ گیا ہے (۱۲)

یہی رشتہ ہائے رفاقت کے کٹنے کا کرب اصل کرب تھا جس نے اس دور کے شہر آشوب میں خاص راہ پائی۔ فیض کے ہاں یہ رنج خود کو اجنبی محسوس کرنے میں سامنے آتا ہے تو فراز کے ہاں یہی نوحہ ملتا ہے کہ دلوں میں موجود جو قربت اور محبت تھی وہ مٹ کر رہ گئی ہے۔ قربت کے رشتے کٹ گئے ہیں اور نفرتوں کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اس المناک سانحے کا مجرم اس دور میں ہر شخص اپنی ذات کو گردانتا ہے۔

مشرقی پاکستان کے الگ ہونے کے بعد جب حالات ایک طوفان سے گزر کر کچھ معمول پر آنے شروع ہوئے تو ہر شخص یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ نفرتوں کی اس خلیج کے وسیع ہونے میں اس کا کتنا جرم تھا۔ وہ خاموش

تماشائی کیوں بنا رہا۔ خود کو جرم قرار دینے کا عنصر اس دور کی آشوبیہ شاعری کا دوسرا بڑا عنصر ہے۔ اقدار، سماجی روایات کے مٹنے اور نفرتوں کے بڑھنے کے اسباب پر غور کرنے کے بعد معاشرہ کو اپنی کوتاہیوں اور حالات کی سنگینی سے چشم پوشی نظر آئی۔ جذبات کی رو میں بہہ کر منافقت کو رواج دینے کا انجام اس سانحہ کی صورت میں نکلا۔ خود فریبی نے اپنا آپ دکھایا اور اب بات یہاں تک پہنچ گئی کہ معاشرے کے حساس افراد شعرا کے ہاں بھی اس دور کی آشوبیہ شاعری میں اس جرم ضعیفی کے تذکرے ملنے لگے۔

میں ترا قاتل ہوں
اے مشرق مجھے مصلوب کر
میں جو عیسا کے لبادے
میں تیرے بیمار فرزندوں کے گھر
آیا تھا
کل چارہ گری کے واسطے
میں نے ان سے کیا کیا
میں کہ درماں بن کے آیا تھا
ترے ناسور زخموں کے لیے
بارود کا مرحم لیے
بندوق کا پرچم لیے
میرے بوجھ بوٹ
جن کی چاپ
تیرے چوبداروں سی تھی
اب کی بار ایسے زلزلے لائے
کہ تیرے ہنستے بستے شہر ملبے بن گئے
خاک وخوں کے اس گلابے سے
میں اپنے بھاری بوٹوں کو نکالوں کس طرح
میں ترا قاتل
ترا عیسا

مجھے مصلوب کر (۱۳)

چارہ گری کے واسطے آنے والے اسی "بارود کے مرہم" اور "بندوق کے پرچم" نے جہاں اس ملک کو دولخت کیا وہاں اس قومی وحدت پر بھی کاری ضرب لگائی، جس وحدت نے سو سال سے زیادہ فرنگی اقتدار اور مستقبل میں پیش آنے والی ہندو اجارہ داری کا بروقت ادراک کر کے ان دونوں سے نجات حاصل کی تھی لیکن یہ وحدت خود قائم نہ رہ سکی جس کا دکھ اس دور کی آشوبیہ شاعری میں ملتا ہے۔ یوں اس سانحے کے حوالے سے تخلیق ہونے والی آشوبیہ شاعری میں فرد نے خارجیت کے ساتھ ساتھ داخلیت کی طرف زیادہ رجوع کیا ہے۔ شہر کی تباہی و بربادی تو ہر دور کی آشوبیہ شاعری کا خاصا رہی ہے لیکن اس بربادی میں خود کو جرم سمجھنے اور اپنی غلطیوں کا اعتراف کرنے کا رجحان آشوبیہ شاعری میں اس سانحہ مشرقی پاکستان کے بعد زیادہ نمایاں ہو کر ابھرا ہے۔

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو سقوط ڈھاکہ ایسا سانحہ نہ تھا کہ ایسے بظاہر ایک نئے ملک و وطن کا قیام سمجھ کر جلد ہی بھلا دیا جائے۔ یہ ایسا المناک سانحہ تھا جس نے ایک طرف تو ارضِ پاک کو دولخت کر کے دلوں میں نفرت کی بنیادیں کھڑی کر دیں تو دوسری طرف سماجی سطح پر بے چینی اور کرب کو نمایاں کیا۔ یہ بے چینی اور کرب ہر ذہن اور قلم پر سے جھلکنے لگا تھا۔ اس میں ایک طرف تو وطن کے ٹوٹ جانے کا غم تھا تو دوسری طرف خطوں کے باشندوں کے مابین جڑی سماجی اقدار بھی زوال کی طرف مائل ہونا شروع ہو گئیں تھیں۔

جغرافیائی تبدیلی کے ساتھ ساتھ سماجی اور ثقافتی تبدیلی نے کرب ناک صورت حال کو جنم لیا اور یہ کرب آشوبیہ شاعری کا خاص موضوع ٹھہرا اس عہد کی آشوبیہ شاعری پر موضوعاتی حوالے سے مجموعی طور پر اسی عظیم سانحہ کی یادیں اور کرب چھائے نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ اب آشوبیہ شاعری محض حزن و ملال یا رنج و الم کے اظہار تک محدود نظر نہیں آتی بلکہ دُکھ اور تکلیف کے بیان کے ساتھ ساتھ نئے عزم اور نئے جوش اور ولولہ کی تحریک دیتی نظر آتی ہیں۔ دردِ دل رکھنے والے شعراء نے انسانی فطرت کے مطابق اس سانحہ پر آنسو بھی بہائے لیکن اپنے اصل فریضہ یعنی تعمیر وطن سے غافل نہ ہوئے یوں اب آشوبیہ شاعری دُکھ کے بیان کے ساتھ ساتھ تعمیر وطن کے لئے جذبے اور ولولے کو تقویت دیتی نظر آتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ صفدر محمود، ڈاکٹر سقوطِ مشرقی پاکستان (لاہور: مکتبہ میری لائبریری ۱۹۷۲ء)، ص ۴۲

۲۔ سلیم منصور خالد، البدر (لاہور: ادارہ مطبوعاتِ طلبہ ۱۹۸۵ء)، ص ۲۱

۳۔ فیض، فیض احمد، ڈھاکہ سے واپسی پر، مشمولہ نسخہ ہائے وفا، (لاہور کارواں پریس)، ص ۵۲۷

۴۔ زاہد چودھری، مشرقی پاکستان کی تحریک علیحدگی کا آغاز، (لاہور: نگارشات، ۲۰۰۵ء)، ص ۱۸

۵۔ احمد ندیم قاسمی، میں روتا ہوں، مشمولہ، ندیم قاسمی کی منتخب نظمیں، مرتب ناہید قاسمی (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۹ء) ص ۶۷

۶۔ احمد ندیم قاسمی، دوستو آو، مشمولہ، ندیم قاسمی کی منتخب نظمیں، ص ۷۵

۷۔ فتح محمد ملک، احمد ندیم قاسمی شاعر اور افسانہ نگار (لاہور: سنگ میل ۱۹۹۱ء)، ص ۱۰۳

۸۔ ناصر کاظمی، دیوان (لاہور: جہانگیر بکس، ۲۰۱۰ء) ص ۱۴۹

۹۔ حبیب جالب، کلیات حبیب جالب، (لاہور، طاہر سنز پبلشرز، اکتوبر ۲۰۱۳ء)، ص ۲۳۴

۱۰۔ فیض فیض احمد، نسخہ ہائے وفا، ص ۴۵۹

۱۱۔ فیض، فیض احمد، نسخہ ہائے وفا، ص ۵۲۰

۱۲۔ احمد فراز " سحر کا سورج " مشمولہ " شہر سخن آراستہ ہے (کلیات)، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز ۲۰۰۸ء)، ص ۵۰۳-۵۰۶

۱۳۔ احمد فراز " میں ترا قاتل ہوں " مشمولہ شہر سخن آراستہ ہے (کلیات)، (اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز ۲۰۰۸ء)، ص ۵۸۱-۵۸۲

References in Roman Script

1. Safdar Mehmood, Dr Saqoot e Mashraqi Pakistan (Lahore: Maktaba Meri Library 1972), Page 42.
2. Saleem Mansoor Khalid, Albadar (Lahore: Idara Matbooat Talba 1985), Page 21
3. Faiz, Faiz Ahmed,Dhaka sy wapsis par, mashmoola nuskha haey wafa, (Lahore karwan Press), Page 572
4. Zahid Chudhary, Mashraqi Pakistan ki Tehreek Elahdgi ka Aghaz (Lahore: Nigarshat 2005) Page 18.
5. Ahmed Nadim Qasmi, Main Rota Hu, Mashmoola, Nadeem Qasmi ki muntakhib Nazmain, Muratab Naheed Qasmi (Lahore: Sang meel Publications, 2009) Page 67
6. Ahmed Nadim Qasmi Dosto Aoo, MAshmoola Nadim Qasmi ki Muntakhib Nazmain, Page 75

7. Fateh Muhaad Malik, Ahmed Qasmi Shair or Afsana Nigar (Lahore: Sang meel 1991) Page 103
8. Nasir Kazmi, Dewan (Lahore: Jahangir Books, 2010) Page 149
9. Habib Jalib, Kiliyat Habib Jalib (Lahore, Tahir Sons Publishers, October 2013) Page 234
10. Faiz Faiz Ahmed, Nushka Haey Wafa, Page 459
11. Faiz, Faiz Ahmed, Nuskha Haey Wafa, Page 520
12. Ahmed Faraz " Sehar ka Suraj" Mashmoola Shehar Sukhan Arasta hy (Kuliyat), (Islamabad: Dost Publications 2008) Page 503-506
13. Ahmed Faraz " Main Tera Qatil Hoo", Mashmoola Shehar Sukhan Arasta Hy (Kuliat), (Islamabad: Dost Publications 2008), Page 581-582